بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خطرات اگر آنکھوں کے سامنے منڈلا نہ رہے ہوں اور ان کے بارے میں اطلاع دوسروں کی زبان سے مل رہی ہو تو سہل پسند انسان کے لیے خوش فہمی میں گرفتار رہنے کا کسی حد تک جواز پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی قوم کی حالت ایسے مسافروں کی سی ہو جن کی آنکھوں کے سامنے جہاز طوفان کی زد میں آکر ہچکولے کھا رہا ہو اور سمندر کی بپھری ہوئی موجیں اسے ڈبو دینے کے درپے نظر آتی ہوں اور ہر مسافر بڑی شدت کے ساتھ یہ محسوس کر رہا ہو کہ جہاز کا عملہ اسے بچانے کے لیے جو تدابیر اختیار کر رہا ہے اس سے اس کا بچاؤ ممکن نہیں اور تدابیر کی ناکامیاں بھی کھل کر سامنے آ رہی ہوں تو ان حالات میں کپتان بہادر کی زبانی یقین دہانیاں مسافروں کے اضطراب کو سکون اور اطمینان میں نہیں بدل سکتیں۔ خصوصاً جبکہ انھیں اس بات کا بھی علم ہو کہ کپتان صاحب مسافروں کے جذبات سے کھیلنے میں بڑے ماہر اور مشاق ہیں۔

خدا جانتا ہے کہ ہم قوم کو یاس و قنوطیت کے حوالہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ پروردگار کی رحمت سے مایوسی کفر ہے جس سے ہر مسلمان پناہ مانگتا ہے لیکن ہم اسے قوم کے ساتھ دغا سمجھتے ہیں کہ اس سے حقیقتِ حال کو چھپایا جائے اور اسے ایسی خوش فہمیوں میں گرفتار رکھنے کا التزام کیا جائے جن کی نوعیت فریب دہی کی سی ہو اور جن کا طلسم اچانک صدمات سے ٹوٹتا رہے۔ قوم کی خیر خواہی کی آخر یہ کون سی قسم ہے کہ دشمن ریاست حیدر آباد کو پوری طرح اپنے نرغے میں لیے ہوئے ہو اور دنیا کا پریس اور دوسرے ذرائع ابلاغ چیخ چیخ کر اس کی دہائی دے رہے ہوں کہ ریاست ہندو سامراج کے ہاتھوں برباد ہوئی کہ ہوئی لیکن ہم اپنے عوام کو یہ تاثر دیتے رہے کہ آصف شاہی جھنڈا ابھی لال قلعہ پر لہرایا ہی چاہتا ہے اور چند گھنٹوں کے بعد پاکستان کے سادہ دل عوام کو دھماکہ کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ حیدر آباد پر بھارت کا تسلط قائم

ہو چکا ہے۔

ہمارے ملک کے اربابِ اختیار نے شاید اپنے عوام کو دھوکا دینا ہی اپنا سب سے بڑا کمال سمجھ رکھا ہے۔ انہوں نے آج تک کوئی فیصلہ کن قدم اٹھاتے ہوئے ایسا طرزِ عمل اختیار نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ عوام کو اعتماد میں لینے کی کوئی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ قومی زندگی کے لیے جو مرحلہ جس قدر نازک ہوتا ہے اسی نسبت سے قوم کو اصل حالات سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے درآنحالیکہ قوم سے اس طرح کا شرمناک مذاق کرنے والے اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ دورِ جدید میں ذرائع خبر رسانی نے اس قدر حیرت انگیز ترقی کرلی ہے کہ اب کوئی بھید بھید نہیں رہ سکتا بلکہ بند کمروں میں کی ہوئی انتہائی راز دارانہ باتیں فوراً طشت از بام ہو جاتی ہیں۔ اور جن باتوں کو یہ لوگ اپنے بھائی بندوں سے چھپانے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانوں سے کام لیتے ہیں وہی باتیں غیر ملکی پریس اور نشر و اشاعت کے دوسرے ذرائع انہیں پوری دنیا میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیلا دیتے ہیں۔

آپ مثال کے طور پر سقوطِ ڈھاکہ کو ہی لے لیجیے۔ ابھی اس المیہ کے رونما ہونے کے بظاہر کوئی آثار نظر نہ آتے تھے کہ بھارت کی کمیونسٹ پارٹی نے روس کے عزائم اور ان عزائم کے پیچھے جو محرکات کام کر رہے تھے ان کی نہایت واضح الفاظ میں نشان دہی کر دی اور صاف طور پر بتا دیا کہ مذہب کی بنیاد پر کسی مملکت کا وجود اہلِ مغرب اور خصوصاً اشتراکیت کے علمبرداروں کو کسی طرح بھی گوارا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے وجود سے ان کا قومی شیرازہ بکھرنے کا شدید خطرہ ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ پاکستان میں پوری قوت کے ساتھ انتشار پھیلایا جائے اور وہاں رنگ، نسل اور زبان کے امتیازات کو اُبھار کر چھوٹی چھوٹی قومیتوں کی داغ بیل ڈالی جائے تاکہ "نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر" کا خواب خوابِ پریشان ثابت ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے روس اور بھارت اور پاکستان کے لادین عناصر نے جو کچھ کیا وہ دنیا کے لیے اب کوئی ڈھکی چھپی داستان نہیں رہی۔ مگر افسوس ہمارے برسرِ اقتدار طبقوں نے اس انتشار کو روکنے کے لیے کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا بلکہ ملک کے سارے وسائل اپنے عہدِ اقتدار کو طول دینے میں صرف کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتشار کی چھوٹی چھوٹی چنگاریوں نے خوفناک آگ کی صورت اختیار کر لی۔ مگر ہمارے

حکمران، قوم کو یہ کہہ کر برابر تسلیاں دیتے رہے کہ ان کی قیادت میں ملک ہر طرح سے محفوظ و مامون ہے اور عوام کو ملک اور قوم کے بارے میں فکرمند ہونے کے بجائے مسندِ اقتدار پر براجمان حضرات کی تائید و حمایت کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔

قوم کو صحیح حالات سے بے خبر رکھنے کی اس سے زیادہ قابلِ افسوس مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ بھارت روس کی تائید کے ساتھ مشرقی پاکستان پر براہِ راست حملہ کرنے کی تیاریاں بالکل مکمل کر چکا تھا اور حالات بڑی تیزی کے ساتھ پاکستان کے لیے بڑی تشویشناک صورت اختیار کر رہے تھے، لیکن ہمارے راہنما ہمیں یہ اطمینان دلا رہے تھے کہ خطرہ کی کوئی وجہ نہیں۔ پاکستان بھارت کے خلاف ایک ہزار سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ جنگ لڑ سکتا ہے۔ بھارت نے اگر پاکستان پر حملہ کرنے کی حماقت کی تو چین اس کا منہ توڑ دے گا۔ امریکہ فوراً پاکستان کی اعانت اور دستگیری کے لیے میدانِ جنگ میں کود پڑے گا کیونکہ پاکستان کا تحفظ امریکی خارجہ پالیسی کے کونے کا پتھر ہے۔ چنانچہ اس ملک کے سادہ لوح عوام چین اور امریکہ کی عملی امداد کے بل بوتے پر فتح و نصرت کی نوید سننے کے ہی منتظر رہے کہ اچانک یہ منحوس خبر ان پر برق بن کر گری کہ پاکستان کے مشرقی حصہ پر دشمن قابض ہوگیا ہے۔

دنیا میں افراد اور قوموں کو بسا اوقات بڑی بڑی ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن جو افراد اور قومیں عزت اور وقار کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا عزم رکھتی ہیں وہ ان ناکامیوں کو اپنے لیے تازیانۂ عبرت سمجھ کر اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کی فکر کرتی ہیں تاکہ وہ اپنی ناکامیوں کو کامرانیوں میں بدل سکیں۔ لیکن جو افراد اور قومیں بلندی کی طرف جانے کا حوصلہ نہیں رکھتیں بلکہ پستی کی طرف لڑھکنے پر بضد ہوتی ہیں وہ اپنی روش میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی لانا پسند نہیں کرتیں بلکہ غلط راہ پر برابر گامزن رہتی ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارا طرزِ عمل اُن قوموں کا سا ہے جن کے اندر اصلاحِ احوال کی کوئی تڑپ باقی نہیں رہی۔ اور جو بار بار کی ٹھوکریں کھا کر سنبھلنے کے بجائے مسلسل گرتے چلے جانے کو اپنا بہت بڑا کارنامہ خیال کرتی ہیں۔ جب کوئی قوم پستی کو ہی رفعت اور بلندی سمجھنے لگے اور ذلت اور ناکامی کو فتح و کامرانی تصور کر کے اس پر خوشی کے شادیانے بجائے اور اپنی خامیوں اور کوتاہیوں پر ندامت محسوس کر کے انہیں دور کرنے کے بجائے انہیں

خوبیاں سمجھ کر اُن پر فخر کرے اور اترائے تو ایسی قوم کا تباہی سے دوچار ہونا بالکل ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب کوئی قوم تخریب کی راہ پر گامزن ہوتی ہے تو پہلے اسے چھوٹے چھوٹے صدمات سے دوچار کیا جاتا ہے تاکہ وہ اُس کے لیے تازیانۂ عبرت ثابت ہوں لیکن جب یہ تازیانہ بھی اُسے خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں ناکام رہتا ہے، تو پھر خالقِ کائنات اس قوم پر عذاب نازل کرکے اُسے دوسری قوموں کے لیے سامانِ عبرت بناتا ہے۔ دنیا میں کسی قوم کی اس سے بڑی بدقسمتی اور رسوائی اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ وہ حوادث سے عبرت پکڑنے کے بجائے دوسری قوم کے لیے سامانِ عبرت بن جائے۔

سقوطِ ڈھاکہ کے صدمے کے بعد بجا طور پر توقع کی جاسکتی تھی کہ قوم اور اُس کے سربراہ اس روح فرسا حادثے کے بعد اپنے طرزِ فکر اور طرزِ عمل میں خاطر خواہ تبدیلی پیدا کریں گے اور جن اسباب کی وجہ سے یہ المیہ رونما ہوا ہے انھیں ان کے تدارک کی فکر دامن گیر ہوگی مگر افسوس یہ توقعات، توقعات ہی رہیں کسی درجہ پوری نہ ہوسکیں بلکہ جو لوگ حالات کے رُخ کو ذرا دقتِ نظر سے مطالعہ کرنے کے عادی ہیں وہ تو اپنے اس مشاہدہ سے سخت مضطرب اور پریشان ہیں کہ بقیہ پاکستان میں تخریب کا عمل پہلے سے کہیں زیادہ تیز تر ہوگیا ہے۔ پاکستان کی بربادی کے اسباب کا اگر تجزیہ کیا جائے تو پانچ اسباب خاص طور پر نمایاں نظر آتے ہیں:

- جس اسلام نے پاکستان کو وجود بخشا اور اس کی بقا کا واحد ضامن ہے اس سے افسوسناک حد تک بے اعتنائی۔
- جمہوریت کے نام پر آمریت مستط کرنے کی کوشش۔
- مغرب کی اندھی تقلید میں غلط معاشی پالیسیوں پر عمل درآمد اور نمائشی کاموں پر دولت کا بے تحاشہ زیاں۔ اس کے نتیجے میں ایک طرف غیر ملکی قرضوں کا بوجھ اور دوسری طرف عوام کی معاشی حالت کا دگرگوں ہونا اور اس طرح پسے ہوئے طبقوں کے اندر شدید احساسِ محرومی کا اُبھرنا۔
- انتظامیہ کو ایک گروہ کے اقتدار کے تحفظ کے لیے بطور آلہ کار استعمال کرنا اور اس طرح اس کا اپنے اصل کام یعنی ملکی انتظام و انصرام سے غافل ہونا اور اقتدار کی دھڑے بندیوں میں براہ راست دخیل ہوکر تخریبی کام سرانجام دینا۔

حقائق کا سامنا کرنے سے گریز اور ملکی معاملات کو ٹھوس بنیادوں پر حل کرنے کے بجائے عمل کی کمی کو لاف و گزاف سے پورا کرنے کی کوشش اور محض خوش کن باتوں سے عوام کو مسحور کرنے اور اُن پر مستی کی کیفیت طاری رکھنے کی مذموم سعی۔

یہ وہ پانچ اسباب ایسے ہیں جن کا کھوج لگانے کے لیے کوئی زیادہ محنت درکار نہیں۔ پاکستان کا ہر شہری جو تھوڑی بہت سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہے وہ اجتماعی زندگی کے مختلف دائروں میں اُن کی تباہ کاریوں کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔ اگر ہمارے ملک کے سربراہ پاکستان کو مزید تباہی سے بچانے کے لیے دلی طور پر آرزومند ہیں تو پھر انہیں سب سے پہلے اِن اسباب کے تدارک کی فکر کرنی چاہیئے کیونکہ ان کے تدارک کے بغیر پاکستان کو کسی صورت بھی بچایا نہیں جا سکتا۔ ہم یہ بات انتہائی دکھ کے ساتھ کہنے پر مجبور ہیں کہ قوم کی تعمیر نو کا تو بڑا غلغلہ ہے اور اس سلسلے میں احباب اقتدار بڑے بلند بانگ دعوے بھی کر رہے ہیں لیکن جن وجوہ کی بنا پر پاکستان پہلے ہی ناقابلِ تلافی نقصان برداشت کر چکا ہے، انہیں دُور کرنے کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہیں دی جا رہی بلکہ اگر صاف گوئی سے کام لیا جائے تو یہ بات بلاخوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ ان کے معاملے میں مجرمانہ تغافل برتا جا رہا ہے اور قوم کو اُس غلط روش پر آگے بڑھنے کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے جس پر گامزن ہو کر وہ پہلے ہی اپنی عزت، اپنا وقار، اپنا امن اور چین اور اپنے ملک کا نصف حصہ کھو چکی ہے۔

خدا شاہد ہے کہ ہم یہ بات کسی سیاسی دھڑے بندی کی بنا پر یا برسرِ اقتدار طبقے کو بدنام کرنے کی غرض سے نہیں کہہ رہے بلکہ ملک و ملت کی خیر خواہی اور خود اصحاب اقتدار کی خیر خواہی کے جذبے سے ہی عرض کر رہے ہیں کیونکہ ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ جب تک ملک کے اندر تباہ کن رجحانات کو ختم نہ کیا جائے گا، تخریب اور انتشار کا عمل مسلسل جاری رہے گا اور پاکستان کے مزید حصے بخرے ہوتے رہیں گے۔

اس برِ اعظم کے باشندے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے اصحابِ بصیرت اس حقیقت سے پوری طرح

واقف ہیں کہ تحریک پاکستان کا خمیر اسلام اور صرف اسلام سے اٹھایا گیا - اسلام ہی اس تحریک کا پس منظر اور اساس ہے اور اسلام ہی وہ واحد رشتۂ اخوت ہے جو اس ملک کے باشندوں کے اندر اتفاق اور اتحاد پیدا کر سکتا ہے - ایک پنجابی، ایک بلوچی، ایک پٹھان، ایک سندھی اور ایک بنگالی کے مابین دین کے اشتراک کے علاوہ اور کونسی ایسی قدر مشترک ہے جو انھیں ایک دوسرے سے وابستہ رکھ سکے۔ ان کی بولیاں ایک دوسرے سے الگ، ان کے رنگ جدا جدا اور ان کی عادات ایک دوسرے سے مختلف ہیں، حتّٰی کہ مغرب اور مشرق کے مابین ایک ہزار میل سے زیادہ کا فاصلہ حائل تھا، لیکن رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی حدود کے وسیع اختلافات کے باوجود اسلام کی مقناطیسی کشش نے پاکستانی قوم کے ان مائل بہ انتشار اجزاء کو ایک دوسرے سے جوڑ رکھا تھا - دین حق نے پاکستان اور پاکستانی قوم کو ایک مضبوط بنیاد عطا کی ہے، اسی سے اس کا اجتماعی ہیولیٰ تیار ہوا ہے اور اسی کی بدولت اس کی جغرافیائی حدود متعین ہوئی ہیں. دوسری قوموں کے لیے مذہب روحانی سکون، اخلاقی ضابطۂ حیات یا ایک حد تک تاریخی پس منظر فراہم کرتا ہے، لیکن مسلم قوم کے لیے دین حق غایت الغایات اور مدارِ حیات ہے اور پاکستان کے معاملے میں تو تاریخی پس منظر کے علاوہ ملک کا جغرافیہ بھی اسی دین کا رہینِ منّت ہے - ظاہر بات ہے کہ جو نظریہ کسی قوم کے لیے جوہرِ حیات کی حیثیت رکھتا ہو اُس کے معاملے میں کوئی ہوشمند قوم غفلت اور لا پرواہی کا رویہ اختیار کرنے پر تیار نہیں ہو سکتی لیکن صد افسوس کہ ہم نے مسلم قوم کی قوت و طاقت کے اس سرمدی سرچشمے کے بارے میں بڑا تکلیف دہ رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ جب عوام کے جذبات سے کھیلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تو تقریروں اور بیانات میں اسلام سے والہانہ عقیدت اور شیفتگی کا اظہار ہونے لگتا ہے. لیکن دنیائے عمل میں اسلام کے مطابق کوئی قدم نہیں اُٹھایا جاتا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی دین حق کے انقلاب انگیز اثرات سے یکسر عاری ہے - اگر مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین دین کے رشتے کو صحیح معنوں میں مضبوط بنانے کی کوشش کی جاتی اور دین حق کو بازیچۂ اطفال نہ بنایا جاتا تو کیا کبھی یہ ممکن تھا کہ دو دینی بھائی زبان، رنگ، نسل کے اختلافات کی بنا پر اور معاشی مفادات کی خاطر ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے - ہمارے برسراقتدار طبقوں کی غفلت کی وجہ سے چونکہ اسلام کا رشتہ ہر آن کمزور ہوتا گیا اس لیے جاہلی تعصبات نے زور پکڑا اور انہوں نے ہماری قوم کے رگ و پے میں منافرت کا زہر بھر دیا جس کی بنا پر بھائی نے بھائی کا گلا

کاٹا، بھائیوں نے بہنوں کی عصمت دری کی اور ہنود و یہود کی شہ پا کر ایک خدا اور ایک رسول اور ایک دین کے ماننے والوں اور پاکستان کے قیام کے لیے ایک دوسرے کے ہم عنان ہو کر جدوجہد کرنے والوں نے آپس میں ایسی قساوتِ قلبی کا مظاہرہ کیا کہ اگر اسے درندوں کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ بھی شاید شرم کے مارے اپنی آنکھیں جھکا لیں۔ چرخ نیلی فام نے اس سے بڑا حزنیہ اور کیا دیکھا ہوگا کہ توحید پرستوں کی ایک بہت بڑی جمعیت نے مسلمانوں سے کٹ کر اپنے آپ کو اس ہندو سامراج کی تحویل میں دے دیا جس کی قہرمانیوں اور ریشہ دوانیوں سے بچنے کے لیے اس نے پچیس برس بیشتر پاکستان کی صورت میں ایک الگ خطۂ ارضی کے حصول کے لیے اس کے خلاف جنگ لڑی تھی۔ آخر یہ اندوہناک صورتِ حال کیوں پیدا ہوئی، دشمن کو ہمارے جسد میں منافرت کا زہر پھیلانے کا کیوں موقع ملا۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ برسرِ اقتدار طبقوں کی غلط روش نے اسلام دشمن طاقتوں کو کھل کھیلنے کے پورے مواقع فراہم کیے اور انہوں نے ان سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے دینی جذبات اور احساسات کو سرد کر کے ان کی جگہ نسلی اور لسانی تعصبات کی آگ بھڑکا دی جس نے ہماری اجتماعیت کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے مشرقی حصے پر ہندو کا تسلط ہماری قومی زندگی کا ایک بہت بڑا سانحہ ہے لیکن ہم اِس حادثہ پر اس قدر دل گرفتہ اور پریشان نہ ہوتے اگر ہمیں بچے کھچے پاکستان میں حالات کسی اعتبار سے بھی روبہ اصلاح نظر آتے اور ہم محسوس کرتے کہ تشتّت وافتراق کے جو عوامل پاکستان کو پہلے شدید نقصان پہنچا چکے ہیں اُن عوامل کو نہ صرف مغربی پاکستان میں بے اثر بنا دیا جائے گا بلکہ ان تخریبی عوامل کی جگہ ایسے عوامل کو بروئے کار لایا جائے گا جس سے باقی ماندہ پاکستان کے بسنے والوں میں اتحاد اور یگانگت پیدا ہوگی مگر ہر دردمند پاکستانی کی آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں وہ جب یہ دیکھتی ہیں کہ یہاں اتفاق واتحاد کے اِس مجرّب نسخہ کے مطابق کوئی عمل نہیں کیا جا رہا بلکہ انتشار کی قوتیں اِس حصے میں پہلے سے زیادہ سرگرم عمل ہیں۔ مُلک کے ذرائع ابلاغ پر عملاً اُن لوگوں کا قبضہ ہے جو اشتراکیت یا لادینیت کے علمبردار ہیں اور جو ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت علاقائی کلچر اور علاقائی بولیوں کی ترقی کی آڑ میں مُلک کے مختلف حصوں میں منافرت کے بیج بو رہے ہیں

(بقیہ اشارات) مشرقی پاکستان کا حشر دیکھنے کے بعد اِن لوگوں کی ملّت دشمن کارروائیوں اور مذموم مقاصد کے بارے میں اب بھی مُلک کا کوئی بہی خواہ اگر کسی خوش فہمی کا شکار ہے تو اس کی عقل کا جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے کیونکہ سقوطِ ڈھاکہ تو ایک ایسا دلفگار حادثہ ہے جس سے دوچار ہونے کے بعد پاکستان کے ہر خیر خواہ کو خوابِ غفلت سے بیدار ہو جانا چاہیئے تھا لیکن حالات اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ ہم اسی غفلت کا شکار رہنے پر مصر ہیں جس کا شکار ہونے کی وجہ سے ہم پہلے بھی تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص بڑی شدت کے ساتھ یہ محسوس کر رہا ہے کہ یہاں اسلامی قومیت کے آفاقی تصور کی جگہ چھوٹی چھوٹی قومیتوں کے محدود تصورات کو بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اُبھارا جا رہا ہے اور جو لوگ یہ کام سرانجام دے رہے ہیں ان کے حوصلے اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ بسا اوقات ایک انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ اس طبقے کے ایما پر تو نہیں کیا جا رہا جس کے ہاتھ میں اس وقت مُلک کی عنانِ اقتدار ہے اور جو قسمیں کھا کھا کر مُلک کی سالمیّت کا یقین دلاتا رہتا ہے۔ مسندِ اقتدار کے پجاری جس شخصیت کے ساتھ چاہیں پاکستان کی بقا وابستہ کر کے صاحبِ اقتدار کو خوش کرتے رہیں لیکن اس حقیقت سے ہر شخص واقف ہے کہ کسی مُلک اور قوم کی بقا کسی مخصوص فرد سے وابستہ نہیں ہوتی کیونکہ افراد تو آنے جانے والے ہوتے ہیں۔ پاکستان جب معرضِ وجود میں آیا تو قائدِ اعظم اور پاکستان لازم و ملزوم تصوّر کیے جاتے تھے، ان کی وفات کے بعد پاکستان کی زندگی کو لیاقت علی خان کے ساتھ وابستہ کیا گیا پھر صدر ایوب مرحوم کے حاشیہ نشینوں نے عوام کے اندر یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کی کہ پاکستان کا وجود فیلڈ مارشل صاحب کے اقتدار کا رہینِ منت ہے اور اگر وہ مسندِ اقتدار سے ہٹ گئے تو ملک کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اب وزیرِ اعظم بھٹو اور پاکستان دونوں لازم و ملزوم قرار دیئے جا رہے ہیں۔ آپ سوچیئے کہ کیا فانی انسانوں کے ساتھ کسی مُلک اور قوم کی بقا وابستہ کی جا سکتی ہے؟ اچھے، زیرک اور دیگر اعلیٰ صفات کے حامل انسان بلاشبہہ کسی قوم کے لیے بڑے مفید اور کار آمد ہوتے ہیں اور اُس کی قوتوں کو تعمیر و ترقی کی راہ پر لگانے میں اُن کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے لیکن کسی قوم کی زندگی کا انحصار افراد پر نہیں ہوتا۔ قومیں تو نصب العین کے ساتھ مخلصانہ وابستگی کے بل بوتے پر زندہ رہتی اور ترقی کرتی ہیں۔ جس قدر کسی قوم کا نصب العین ارفع و اعلیٰ ہو گا اور جس نسبت سے اُس نصب العین کی محبّت اُس کے افراد کے سینوں میں جاگزیں

ہو گی اسی تناسب سے قوم مضبوط اور سربلند ہو گی۔ پاکستان کے لیے اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس کی قسمت کو کس فرد یا کس گروہ یا کس سیاسی جماعت کے ساتھ وابستہ کیا جائے بلکہ تاریخ کے اس نازک ترین دور میں اس کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اسے قوت و طاقت کے اس اتھاہ سمندر سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے کس طرح آمادہ کیا جائے جس سے منہ موڑ کر وہ ایک باعزت قوم کی حیثیت سے کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ ملتِ اسلامیہ کے لیے دینِ حق کی حیثیت روح کی سی ہے اور وہ اگر اس کے جسد سے نکل جائے تو پھر یہ قوم ایک بے گور و کفن لاش رہ جاتی ہے جس کی بوٹیاں نوچنے کے لیے سرخ و سفید سامراج کی چیلیں ہمیشہ تیار رہتی ہیں۔ ہم اس حقیقت کو اب اگر پوری طرح ذہن نشین کر کے اسلام کے مطابق عمل شروع کر دیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتی لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر کے جو تدبیر بھی اختیار کی جائے گی وہ ہمارے لیے بربادی اور موت کا پیغام ثابت ہو گی۔

دوسری چیز جو ہماری تباہی کا سبب بنی ہے وہ ملک میں آمریت کو مسلط کرنے کی سخت عاقبت نااندیشانہ کوشش ہے۔ پاکستانی قوم جس کے اندر ہم اپنی حماقتوں سے ابھی تک وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل یا دوسرے لفظوں میں اسلامی قومیت کا واضح شعور اور احساس پیدا نہیں کر سکے، کے بارے میں اس ملک کے حکمرانوں کو بڑا محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملک کے عوام اس وقت جذباتی خلا کے اندر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ ابھی تک زندگی کی اُن اعلیٰ اقدار سے لذت آشنا نہیں ہوئے جن کی روشنی میں مادی مفادات بالکل ماند پڑ جاتے ہیں اور ارفع اقدار کے حاملین ملک کے اجتماعی مفاد کے لیے بڑی سے بڑی مادی منفعت سے بخوشی دست بردار ہونے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ موجودہ حالات میں جبکہ قوم اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اپنے اصل نصب العین سے دن بدن دور ہوتی جا رہی ہے اور ملک کا ہر طبقہ اور گروہ اپنے حقوق اور مفادات کے بارے میں غیر معمولی طور پر حساس بنتا جا رہا ہے ملک کے حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک میں جمہوریت کو پوری تندہی اور خوش دلی کے ساتھ فروغ دینے کی کوشش کریں تاکہ کسی طبقے کے اندر احساسِ محرومی پیدا نہ ہونے پائے۔ اس احساسِ محرومی نے ہی مشرقی اور مغربی پاکستان میں پہلے بھی جدائی پیدا کی ہے۔

اگر یہاں جمہوریت فروغ پالے تو ہر طبقے اور گروہ کو ملک کے انتظام و انصرام میں مناسب نمائندگی حاصل ہوگی اور اس طرح اس کے اندر احساسِ محرومی نے جو تلخیاں پیدا کر دی ہیں وہ دور ہو جائیں گی اور پوری قوم یک جان ہو کر اور پاکستان کو اپنے آقاؤں اور فرمانرواؤں کی جاگیر سمجھ کر نہیں بلکہ اپنا ملک جان کر اور قومی آرزوؤں اور ملی اُمنگوں کا مرکز و مسکن سمجھتے ہوئے نئے عزائم اور نئے ولولوں کے ساتھ میدانِ عمل میں اُتر پڑے گی۔

احساس محرومی کے خاتمے کے علاوہ ملک میں قیادت کا جو خلا محسوس کیا جا رہا ہے وہ جمہوریت کے ذریعے ہی بطریق احسن پُر ہو سکے گا اور کسی طالع آزما کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ اپنے جیسے انسانوں پر اپنی خدائی قائم کرے۔ آمریت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں جو شخص بھی اقتدار کے تخت پر متمکن ہوتا ہے وہ انا ولاغیری کے جذبے سے سرشار ہو کر امور مملکت چلاتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ملک اور اس کے باشندے اور دوسرے وسائل تنہا اس کی ذات کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے وہ جو چاہے کرے اور کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہ ہو۔ ظاہر بات ہے کہ ایک فرد کی کبریائی کا سکہ کسی معاشرے میں اسی صورت میں چل سکتا ہے جب دوسرے تمام لوگ اس کے مقابلے میں نہایت پست نظر آئیں۔ اس بنا پر جو شخص آمرانہ عزائم لے کر اُٹھتا ہے اُسے ہمیشہ اس بات کی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ اُس کی ذات تمام اعلیٰ صفات کے پیکر کی حیثیت سے عوام میں نمایاں ہو اور دوسرے تمام افراد جو اپنے اخلاص، اپنے فہم و تدبر اور دیگر قائدانہ صلاحیتوں کی بنا پر عوام کی توجہ کا مرکز بن سکتے ہوں، اُن کی شخصیتوں کو اس حد تک مسخ کر دیا جائے کہ لوگ اُن سے نفرت کرنے لگیں اور اس طرح عوام کی نظروں کے سامنے صرف آمر کی ذات گرامی ہی رہ جائے جسے وہ یک سوئی کے ساتھ پوجتے رہیں۔ آمر کے لیے یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ وہ کسی ایسی اُبھرتی ہوئی شخصیت کو گوارا کرے جو اس کے اقتدار کے لیے کبھی خطرے کا باعث بن سکے۔ اس لیے آمر اپنے ارد گرد صرف اُن لوگوں کو جمع کرتا ہے جو اس کے سامنے بونے نظر آتے ہوں تاکہ اُن کی موجودگی میں اس کا اپنا قد کاٹھ غیر معمولی حد تک نمایاں دکھائی دے۔ جس ملک میں آمریت کا دور دورہ ہوتا ہے وہاں کسی متبادل قیادت کے ابھرنے کے امکانات قریب قریب معدوم ہوتے ہیں اور جب عوام تنگ آکر حکومت کرنے والے ہاتھوں کو تبدیل کرنے کی کوشش

کرتے ہیں تو یہ تبدیلی فطری انداز اور پُرامن طریق سے نہیں بلکہ آگ اور خون کے سمندر سے گزر کر یا بہت بڑے دھماکے کے ساتھ لائی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آمریت کے تحت زندگی بسر کرنے والے معاشرے کو کبھی چین نصیب نہیں ہوتا اور اس پر ہمیشہ خوف و ہراس کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ آمریت کے دیو استبداد نے جس طرح پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک کو برباد کیا ہے اس سے کون ناواقف ہے لیکن اس کے باوجود ہم اس دیو کے تسلط پر بضد نظر آتے ہیں کیونکہ اس سے آمر کی بگڑی ہوئی انا کو تسکین کا وافر سامان میسر آتا ہے۔

ابھی یہ سطور لکھی جا رہی تھیں کہ اخبارات میں ربوہ ریلوے اسٹیشن کا المناک واقعہ شائع ہوا۔ اس واقعہ کی جو تفاصیل منظر عام پر آئی ہیں اُن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ ایک سوچی سمجھی سکیم کا نتیجہ تھا جو قادیانیوں کے مرکز میں اُن کے سربراہ کے مشورے سے تیار ہوئی تھی۔ نشتر میڈیکل کالج کے چند طلبہ کا ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگانے سے جھوٹی نبوت کے ایوانوں کے انہدام کا کوئی خطرہ تو پیدا نہ ہو گیا تھا کہ تین چار ہزار غنڈوں کو مسلح کر کے ایک منصوبے کے تحت میڈیکل کالج کے نہتے طلبہ پر حملہ کروایا جاتا۔ ہم اس حملے کی نہ صرف پُرزور مذمت کرتے ہیں بلکہ اسے امت مسلمہ اور پاکستان کے خلاف ایک ناپاک سازش سمجھتے ہیں۔ حکومت اور بعض سادہ لوح افراد قادیانیوں کو محض ایک فرقہ سمجھ کر اس کے ناپاک عزائم کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ کوئی مذہبی فرقہ نہیں بلکہ مغربی استعمار کی ایک خوفناک جاسوسی بٹالین ہے جس سے امت مسلمہ کو تباہ و برباد کرنے کا کام لیا جا رہا ہے، جو لوگ قادیانی امت کے مزاج، اس کے کام کرنے کے انداز، اس کی اجتماعیت اور جتھے بندی اور مسلمانوں کے بارے میں اس کے جذبات و احساسات سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ اس حقیقت کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا اُمت مسلمہ کے ساتھ کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ اس کی ساری وابستگی مغربی سامراج کے ساتھ ہے۔ مغربی سامراج نے ہی مذہب کے نام پر اس نیم عسکری تنظیم کو جنم دیا، اسی کی آغوش میں اس نے تربیت پائی اور اسی کی سرپرستی اور نگرانی میں اس نے امت مسلمہ پر شبخون مارے جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

قادیانیت اسلام کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ اسلام کے حصار میں وہ بارودی سرنگ ہے جسے اسلام دشمن طاقتوں نے بڑی ہنرمندی کے ساتھ اس کی دیواروں کے نیچے بچھا رکھا ہے۔ علامہ اقبال کی دُور رس نگاہوں نے امت مسلمہ اور قادیانیوں کے درمیان بُعد و بیگانگی بلکہ شدید مخاصمت اور مخالفت کو بھانپتے ہوئے آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر ہی یہ کہہ دیا تھا کہ اس مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ قادیانیوں کو بہائیوں کی طرح امت مسلمہ سے ایک الگ اُمت قرار دے دیا جائے اور یہی ہمارے نزدیک اس مسئلے کا صحیح حل ہے۔ کسی اُمت کا ضمیر آنکھ سے زیادہ حساس ہوتا ہے جس طرح آنکھ اپنے اندر کسی نہایت باریک سے باریک چیز کو ایک ثانیہ کے لیے برداشت نہیں کرسکتی اور اُس وقت تک اسے چین نہیں آتا جب تک کہ وہ اُسے نکال باہر نہ کر دے بالکل اسی طرح کوئی امت اپنے اندر کسی ایسے وجود کو گوارا نہیں کرسکتی جو اس کے اجتماعی ضمیر سے معمولی مغائرت بھی رکھتا ہو اُسے چین اسی صورت نصیب ہوسکتا ہے جب اس کے اندر اختلال پیدا کرنے والی چیز اس سے الگ کر دی جاتی ہے۔ حکومت اگر اس مسئلے کو صحیح طور پر حل کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے صحیح اور معقول راستہ یہ ہے کہ قادیانیوں کو پاکستان میں فوراً غیر مسلم اقلیت قرار دے کر انہیں امت مسلمہ سے الگ کر دے۔ مسلمان برسوں سے اس بات کا تقاضا کر رہے ہیں اور خود قادیانی بھی انگریز کے دور اقتدار میں متعدد بار یہ مطالبہ کر چکے ہیں، لیکن انگریزی استعمار نے اپنے مخصوص سامراجی عزائم کی خاطر قادیانیوں کو مسلمانوں کے سینے میں خنجر کی حیثیت سے پیوست رکھنے پر اصرار کیا۔ لیکن اب جبکہ انگریز رخصت ہوچکا ہے اس خنجر کو امت محمدیہ کے جسد سے بہر صورت نکال دینا چاہیئے۔ اس سے مسلمانوں کو چین اور قادیانیوں کو تحفظ حاصل ہوسکے گا۔

ترجمان القرآن کے قارئین کرام کی خدمت میں گزارش

کاغذ کی قیمتوں میں حالیہ اضافہ کی وجہ سے ترجمان القرآن کی قیمت میں اضافہ بالکل ناگزیر ہوگیا ہے۔ ہمیں یہ اضافہ کرتے وقت شدید دُکھ محسوس ہو رہا ہے لیکن اس کے سوا ہمارے لیے کوئی چارہ کار نہیں۔ اس بنا پر ہم اطلاعاً عرض کرتے ہیں کہ جولائی کے شمارے سے ترجمان کے ایک پرچہ کی قیمت ۱٫۲۵ روپیہ اور زر سالانہ -/۱۲ روپے ہوگا۔

ناظم ادارہ